تانیثیت: تعارف اور اردو شاعری پر اس کے اثرات

ماجد مشتاق رائے

Majid Mushtaq Rai

Ph. D Scholar, Department of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

محمد صفدر ضیائی

Muhammad Safdar Zeyaee

M.Phil Scholar, Department of Urdu,

Govt. College University, Faisalabad.

Abstract:

Feminism is one of the latest thoughts which directly influence the literature all over the world; as well urdu literature. In current era numbers of poets shows respect to it. In this article we throw the ligh on introduction of feminism and its effects on Urdu poetry.

اُردو لفظ تانیثیت کا انگریزی زبان میں مستعمل و متبادل لفظ (Feminism) ہے جس کا مطلب عورت کو بطور منفرد مخلوق تسلیم کرنا۔ اس کی انفرادیت کو اس کے ذاتی شعور اور تمام تر حقوق کے ساتھ تسلیم کرنا۔ اس حوالے سے آکسفورڈ لرنرز ڈکشنری میں Feminism کے معنی یوں درج ہیں:

> "Feminism: The belief and aim that woman should have the same rights and opportunities as we; the struggle to achieve this aim."(1)

تانیثیت کے حوالے سے B. David کی تعریف کچھ یوں ہے:

> "Feminism includes any form of opposition to any form of social, personal or economic discrimination which women suffer because of their sex."(2)

فیمنزم کا لفظ ابتداً صنفِ نازک کے خصائص کی عکاسی کرتا تھا مگر آہستہ آہستہ اس نے ایک اصطلاح کی صورت اختیار کر لی۔ موجودہ تناظر میں یہ اصطلاح خواتین کے حقوق کے حصول کے لیے مستعمل ہے اور اپنے اندر وسیع تر مفہوم سموئے ہوئے ہے۔ دراصل خواتین کے حوالے سے ان کے حقوق کی پہچان اور معاشرے میں مردوں کی طرح عورتوں کی انفرادیت کی تحریک کی صورت نظر آتی ہے۔ قومی انگریزی لغت میں درج ذاس کی تعریف و مفہوم موجودہ تناظر میں اس کے صحیح ادراک کے لیے معاون و ممد ہے۔ قومی انگریزی لغت کے مطابق:

> ''نظریۂ حقوقِ نسواں؟ تحریکِ نسواں؛ یہ نظریہ کہ سماجی اور سیاسی لحاظ سے عورتوں کے حقوق مردوں کے برابر ہونے چاہییں۔ ایسے حقوق حاصل کرنے کی تحریک۔''(۳)

تانیثیت، تحریکِ نسواں، حقوقِ نسواں یا آزادیٔ نسواں دراصل تمام تر ایسی تحاریک ہیں جن کا اصل مقصد اور مدعا عورتوں کو ان کے درست مقام کا شعور دلاتے ہوئے اسے مرد کے استحصالی نظام اور انفرادی و اجتماعی سطح پر مرد کے جبر و استبداد کے خلاف آواز اٹھانا، خصوصاً ان معاشروں میں جہاں سالہا سال کی فوقیت اور برتری کے باعث مرد خود کو برتر سمجھ کر عورت کی شخصیت کو معدوم جاننا شروع کر دے۔ یہی رویہ دراصل عورتوں کی خود اعتمادی اور خود ارادیت کا قاتل ہے۔ ایسے معاشرے میں عورتوں کو خود مختاری اور خود اعتمادی کی طرف لے کے آنا ان تحاریک کا مقصد و نصب العین تھا۔ انیس ہارون اپنے مضمون ''فیمنزم اور پاکستانی عورت'' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''فیمنزم نام ہے اس احساس کا کہ معاشرے میں پدری نظام مسلط ہے اور نظریاتی سطح پر عورت کی محنت، حیثیت اور اولاد پیدا کرنے کی صلاحیت کا خاندان میں اور کام کرنے والی جگہ پر غرض پورے معاشرے میں استحصال کیا جاتا ہے اور اسے کچلا جاتا ہے اور وہ تمام مرد اور عورتیں جو اس حالت کو بدلنا چاہتے ہیں وہ فیمسٹ ہیں۔''(۴)

اس گفتگو سے یہ تعین کرنے میں آسانی ہوتی ہے کہ تانیثیت (فیمنزم) دراصل ایک ایسا فکر، فلسفہ اور تصور ہے جو معاشرتی زندگی میں اعتدال اور توازن کی جدوجہد ہے جہاں عورت کو معاشرے کا فعال فرد تصور کرتے ہوئے اس کی صلاحیتوں کا اعتراف اس کی منزل ہے۔ اس حوالے سے ناصر عباس نیرؔ اپنی کتاب ''جدید اور مابعد جدید تنقید'' میں یوں رقم طراز ہیں:

> ''نسوانی تنقید عورت کے شعورِ ذات کی پیداوار ہے۔ اس مکتب میں بین السطور یہ احساس بہت شدید ہے کہ عورت کو یا تو تاریخ سے باہر

رکھا گیا یا حاشیہ پر۔''(۵)

تانیثیت اور اس سے وابستہ جتنی بھی تحاریک ہیں ان کے بنیادی اسباب میں یہ بات بڑی شدومد سے کہی جاتی ہے کہ مرد کا ظلم، جبر اور استحصال اس کی اصل وجہ بنا۔ دوسری طرف اگر ہم تاریخِ عالم پر نظر ڈالیں تو تاریخی تناظر میں یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مرد کیونکہ محنت مشقت کر کے معاشی نظام کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے تھا اسی لیے اس کی برتری بغیر کسی بحث کے مسلم ہوتی چلی گئی اور پھر یہ روش اس قدر عام ہوئی کہ عورت ہمیشہ سے اپنی ذات کے تجزیہ سے محروم ہوتی چلی گئی۔ یہ بحث الگ ہے کہ اسے زبردستی ایسے مواقع سے دور رکھا گیا یا پھر عورت نے خود کو گھریلو زندگی تک محدود کر لیا۔ ہر دو صورتوں میں یہ نتیجہ اخذ کر لینا بہر حال مبنی بر حقیقت نہیں تھا کہ وہ زندگی کے دیگر شعبوں میں مثلاً مذہب، سیاست، نفسیات، تاریخ کے حوالے سے اپنی صلاحیتوں کے مطابق انصاف کرنے کے قابل نہیں ہے۔ اس ضمن میں ناصر عباس نیرؔ کا خیال ہے کہ:

> ''ایسا نہیں کہ عورت تجزیہ ذات کی صلاحیت یا روح سے محروم تھی بس عورت کو یہ موقع ہی نہیں دیا گیا کہ وہ اپنے تجربے کا اظہار کر سکے اور اسے تاریخ کا حصہ بنا سکے۔''(۶)

انسانی تاریخ میں ایسی مثالیں بھی بڑی واضح نظر آتی ہیں جہاں انسان قبائلی زندگی گزارنے اور جھونپڑوں میں زندگی بسر کرنے پر اکتفا کیے ہوئے تھا۔ موجودہ معاشرتی نظام کی جھلک ملنا بھی ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ ایسی صورتِ حال میں خاندانی نظام کا مرکز و محور عورت ہی تھی اور 'مادرسری' نظام قائم تھا، ماں کے ذریعے ہی قبیلے کی زندگی دنیا کی وسعتوں کو مرکوز کیے ہوئے تھی۔ اس دور میں ماں کا کردار کسی بھی مرد (بھائی، باپ، بیٹا) سے زیادہ اہمیت حاصل کرتا دکھائی دیتا ہے۔ یوں ماں کی برتری دراصل عورت کی ذات کی صلاحیتوں کا اظہار اور عملی نمونہ بن کر سامنے آتا ہے۔ بقول سیمون دی بوا:

> ''تاریخ میں اس معاشرے میں "Great Mother" کا تصور ملتا ہے۔ Susa اور Creta کے علاقوں میں کھدائی کرنے پر نسوانی دیویوں کے بت برآمد ہوئے ہیں۔''(۷)

مادرسری خاندان میں عورت کی مرکزیت ثابت کرتی ہے عورت مرد پر فوقیت رکھتی تھی، قبائلی زندگی میں قانون اور بالا دستی کا تصور عورت کی ذات سے ہی وابستہ تھا۔ آہستہ آہستہ تبدیلی کا عمل اس نوعیت تک آ گیا کہ مادرسری نظام سے انسان نے پدرسری خاندانی نظام کی طرف سفر کیا۔ دراصل مادرسری نظام کا زوال ہی نئے نظام کی ابتدا تھا۔ یقیناً انسانی ذہن و قلب اس نظام سے اکتا گیا اور اس کی تشفی اور تسکین کی صورت ممکن نہ ہوئی۔ اس حوالے سے زاہدہ حنا لکھتی ہیں کہ:

> ''مدرسری معاشرے کے زوال کے بعد پدرسری معاشرے کا آغاز

ہوا جس میں باپ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔ زمین کی طرح
عورت بھی اس کی ملکیت قرار پائی۔''(۸)

زاہدہ حنا نے زمین اور عورت کو جس طرح ایک ہی پلڑے میں رکھا دراصل یہ ایک وسیع تر مفہوم کی طرف اشارہ کرتا ہے۔ جہاں زراعت اور کھیتی باڑی کا نظام مربوط انداز میں جاگزیں ہوا۔ مرد کی صلاحیتوں کا اظہار اس کی عملی مشقت کی صورت میں ظاہر ہوا، معاشی نظام کی مرکزیت اس کی ذات میں سمٹ آئی اور پھر اس کی صورت یوں نظر آئی کہ باپ خاندان میں بھی ماں کی جگہ اولین اور نمایاں مقام پر آ موجود ہوا۔ عورت کی حیثیت درجہ بدرجہ معاون سے خدمت گار کی طرف بڑھتی چلی گئی۔ عورت دوسرے درجہ کی مخلوق سمجھی جانے لگی۔ قدیم یونان جو علم و ادب کا مرکز اور حکمت و فلسفہ کا علمبردار تھا جہاں عورتیں عقل، فہم اور تدبر میں مردوں سے کسی طرح کم تر نہ سمجھی جاتی تھیں یہاں تک کہ عظیم فلسفی خواتین میں فیثا غورث کی بیوی اور بیٹیاں سرکاری سطح پر اپنی عقل و فہم کی وجہ سے حد درجہ بلند مرتبہ پر فائز رہیں۔ اسی یونان میں افلاطون اور ارسطو جیسے عظیم مفکرین عورت کو مساوی درجہ دینے میں محتاط دکھائی دیتے ہیں۔

انسانی تاریخ سے اگر مذہب کو الگ کر دیا جائے تو انسانی زندگی حیوانوں سے بدتر نظر آنے لگتی ہے۔ مختلف مذاہب میں عورت کے کردار کو اہمیت رہی مگر اس کی مسلمہ حیثیت کا تسلسل ناپید نظر آتا ہے۔ عیسائیت مذہب میں حوا کو "Original Sin" سے تعبیر کیا جاتا رہا اور حوا ہی انسان کو جنت سے نکالے جانے کی ذمہ دار قرار پائی۔ یہ بات اس لیے بھی عجیب اور انوکھی تھی کہ اسی عیسائیت میں مقدسہ مریمؑ کی فضیلت کسی بھی شک و شبہ کے بغیر نا صرف اہم ہے بلکہ منفرد مراتبِ فضیلت کی حامل بھی ہے۔ اسلام سے قبل تو عورت کو مرد کی تذلیل کی علامت سمجھا جانا شروع ہو گیا یہاں تک کہ عورت کو مخصوص ایام میں جانوروں کے ساتھ رہنے پر مجبور کر دیا جاتا اور اس کی ذات گھن اور نفرت کی زد میں چلی جاتی۔ بعض قبائل نے تو یہ رویہ اپنایا کہ پیدائش کا لمحہ ہی عورت کے لیے موت کا پیام بن جاتا اور بیٹیوں کو زندہ درگور کر دیا جاتا۔

اسلام نے جہاں معاشرے کی خرابیوں کی اصلاح کا بیڑا اٹھایا تو یہ بھی اہتمام کیا کہ خدا کی پیدا کردہ اس مخلوق کو بطور عورت کے عزت و احترام سے نوازا اور وہ حقوق فراہم کیے جس کی وہ حق دار تھی۔ آزادیٔ رائے سے لے کر وراثت میں حصہ تک ایسے قوانین ہیں جنھیں عورت کے حوالے سے تاریخی تناظر میں تلاش کرنا قبل از اسلام مشکل ہی نہیں ناممکن دکھائی دیتا ہے۔ عورت کے حوالے سے قرآنی احکام اس قدر واضح ہیں کہ شعوری کوشش سے بھی اس کو رد کرنا ممکن نہیں۔ مثلاً:

''مرد جیسے عمل کریں ان کا پھل وہ پائیں گے اور عورتیں جیسے عمل
کریں ان کا پھل وہ پائیں گی۔''(۹)

یا پھر:

''تم میں سے کسی عمل کرنے والے کے عمل کو ضائع نہیں کروں گا،
خواہ وہ مرد ہو یا عورت۔ تم آپس میں ایک ہی ہو۔''(۱۰)

عورتوں کے حقوق کے حوالے سے احکام بھی سامنے رکھ لیے جائیں تو مرد کی استبدادیت اسلام کی روح کے منافی نظر آتی ہے:

''بے شک ان کا مارنا بڑی خطا ہے۔''(۱۱)

اور:

''عورتوں کا مہر خوش دلی کے ساتھ ادا کرو البتہ اگر وہ خود اپنی خوشی
سے مہر کا کوئی حصہ تمھیں معاف کر دیں تو اسے کھا سکتے ہو۔''(۱۲)

ان احکاماتِ خداوندی سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہو جاتی ہے کہ اسلام میں مرد اور عورت کی تخصیص قطعاً نہیں جس کا اظہار اس سے پہلے یا بعد میں عملی طور پر معاشرے میں نظر آتا ہے۔ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے اس سے برابری کا تصور اخذ کرنا چنداں مشکل نہیں اور جو مبنی بر حقیقت بھی ہے۔ مولانا مودودیؒ اسلام کے اس تصور کے بارے یہ نتیجہ نکالتے ہیں:

''وہ محمد ﷺ ہی ہیں جنھوں نے دنیا کو بتایا کہ عورت بھی ویسی ہی
انسان ہے جیسا کہ مرد ہے۔''(۱۳)

موجودہ تصورات کے حوالے سے تانیثیت کی ابتدا کا محرک انقلاب فرانس نظر آتا ہے۔ انقلاب کے ابتدائی دنوں میں خواتین کے حقوق کے حوالے سے بل پیش کیا گیا جو منظور تو نہ ہوا مگر اس سے خواتین میں بیداری کی لہر دوڑ گئی اور خواتین کی ایک بڑی تعداد خواتین کے حقوق کی علمبردار بن کر میدان عمل میں آئیں۔ انیسویں صدی میں اس میں تیزی آئی اور اب یہ تحریک فرانس سے نکل کر جرمنی اور امریکہ تک پہنچ گئی۔ تانیثیت کی علمبردار خواتین نے معاشی، سیاسی، نسلی تمام پہلوؤں سے اپنے حقوق کے لیے آواز اٹھائی بالآخر مختلف ممالک میں اس حوالے سے قوانین بنائے جانے شروع ہوئے۔ کشور ناہید اس حوالے سے روس کے انقلاب کو اہمیت دیتی ہیں جہاں سرکاری سطح پر حقوقِ نسواں کو تسلیم کیا گیا اور عملی اظہار بھی نظر آتا ہے۔ ان کے بقول:

''معاشی، ریاستی، تہذیبی، سماجی اور سیاسی زندگی کے تمام شعبوں
میں سوویت یونین کی عورتوں کو مردوں کے برابر حقوق دیے جاتے
ہیں۔''(۱۴)

تانیثیت کے حوالے سے پوری دنیا میں آنے والی تبدیلیوں کا اثر اردو ادب میں بھی واضح طور پر نظر آیا۔ اردو میں تانیثیتی رویے کا آغاز بیسویں صدی کی چھٹی دہائی سے ہے۔ تانیثیتی تنقید کا آغاز مغرب کے زیرِ اثر نظر آتا ہے مگر اس کا اصل سبب ہمارے معاشرے اور سماج میں عورت کی حیثیت کا

واضح اظہار نظر نہیں آتا تھا۔اسے کمزور اور نامکمل روپ میں پیش کر کے اس کی خامیوں کو اس طرح پیش کیا جاتا رہا کہ وہ مرد کا دستِ نگر اور مرہونِ منت ہوتا چلا گیا۔عورت کی تمام تر حیثیتیں مرد سے وابستہ کر کے پیش کی جاتی رہیں۔ ماں، بہن، بیٹی، بیوی کا تصور بھی اس رنگ میں ظاہر ہوا کہ اس کی انفرادیت مسخ ہو گئی لہٰذا سوال یہ پیدا ہوا کہ بطور انسان وہ کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس کے وجود کی تخلیق کا بنیادی مقصد کیا ہے؟ اور یہ کہ وہ ایک منفرد اور الگ مخلوق کے طور پر کیا کردار ادا کر سکتی ہے؟

ادبی زاویوں کے حوالے سے تانیثیتی نقاد انھی سوالوں کا جواب تلاش کرنے کے لیے سرگرداں نظر آتے ہیں۔بعض ناقدین تو اس رویے میں بالکل متضاد رُخ پر نظر آئے۔اس شدت کو محسوس کرتے ہوئے ڈاکٹر نجیبہ عارف نے لکھا کہ:

> ''تانیثیت کی دوسری لہر دوسری جنگِ عظیم سے ۱۹۸۰ء تک کے عرصہ پر محیط ہے جس میں مرد و زن کی مساوات کو موضوع بنایا گیا ہے۔ تیسری لہر بیسویں صدی کی آخری دو دہائیوں میں سامنے آئی۔اس کے ساتھ ساتھ مابعد تانیثیت کے عنوان سے ایک متوازی رجحان بھی نمایاں ہوا جس میں تانیثیت کے مباحث سے اختلاف کی صورت نمایاں ہوئی۔'' (۱۵)

اردو ادب کے حوالے سے نثری ادب میں اصغری کا کردار عورت کے وجود کی اہمیت کا پوری طرح احساس نظر آتا ہے۔قبل مسیح کی عراقی فلاسفر این ہیدوانا کا قول ہے کہ:

> ''حقیقی عورت وہی ہے جو عقل و فہم اور تدبر کی حامل ہو۔'' (۱۶)

اصغری کے کردار میں عورت کا جو روپ سامنے آیا وہ معاشرے میں اس کی حیثیت کا برملا اظہار ہے۔اسی عہد میں حالؔی نے 'مجالس النساء' لکھی۔'سگھڑ سہیلی' کا قصہ بھی اسی طرح سے عورت کے تاثر کا مظہر ہے۔ بعد ازاں علامہ راشد الخیری نے عورت کی محرومی اور مسائل کا جو اظہار کیا وہ بھی عورت کی پس ماندگی اور معاشرتی استحصال کے خلاف آواز ثابت ہوا۔نثر نگاروں کے ساتھ شاعروں کے ہاں بھی اس کے اشارے اردو ادب میں حالؔی کے ہاں سب سے پہلے نظر آتے ہیں جہاں وہ بیواؤں کے مسائل کا اظہار ''مناجاتِ بیوہ'' جیسی نظمیں لکھ کر کرتے ہیں اسی طرح سے ''چپ کی داد'' نظم میں بھی موضوع عورت ہی ہے۔اردو شاعری میں اقبالؔ کا مقام الفاظ کا محتاج نہیں۔انھوں نے اپنی شاعری میں عورت کا جو تصور پیش کیا اس کے بارے میں ڈاکٹر روبینہ ترین لکھتی ہیں کہ:

> ''علامہ اقبال عورت کی عظمت کے قائل تھے۔ان کے نزدیک یہ عطیۂ قدرت ہے۔عورت کسی بھی معاشرے کی تشکیل میں اہم کردار ادا کرتی ہے،عورت کے بارے میں علامہ اقبال کے کلام

میں جذباتی سے زیادہ فکری انداز ملتا ہے۔عورت ان کے نزدیک
صرف حُسنِ مجسم یا جذباتی تسکین کا ذریعہ ہی نہیں بلکہ سماج میں اس
کی اور بھی حیثیتیں ہیں۔'' (۱۷)

جدید نظم کے حوالے سے معتبر نام وزیر آغا کا ہے۔انھوں نے اپنی ایک نظم ''ماں'' میں برگد کی علامت استعمال کرتے ہوئے ماں کو من و تُو کے درمیان رشتۂ نور سے تعبیر کیا۔صرف یہی نہیں اس نظم میں وہ اس رشتے کو ماضی، حال اور مستقبل سے مبرا کر کے انمول کرتے نظر آتے ہیں۔

جدید شاعرات نے تو صنفی تضادات اور عدم مساوات کو کچھ اس طرح موضوع بنایا ہے کہ صنفی مساوات کی فطری خواہش کا اظہار بن جاتی ہے۔عورت ہونے کے ناطے یہ ان کا فطری حق بھی ہے کہ وہ ہم جنس مخلوق کے ساتھ ناروا سلوک کو اپنے وسیلۂ اظہار سے مؤثر انداز میں بیان کریں۔احساسِ نارسائی اور نظر انداز کیے جانے کا یہ کرب ان کی تخلیقات میں جا بجا نظر آتا ہے۔ان شاعرات میں فہمیدہ ریاض کا نام اہمیت کا حامل ہے جنھوں نے اپنے اس درد کو بیان کرتے ہوئے کھو کھلے معاشرے کے کھوکھلے مروجہ الفاظ کے اخلاقی سانچے کو بھی پسِ پشت ڈال دیا۔اپنی ایک نظم ''مقابلۂ حُسن'' جو ان کے دوسرے شعری مجموعے ''بدن دریدہ'' میں شامل ہے، میں یوں گویا ہیں:

کولھوں میں بھنور جو ہیں تو کیا ہیں
سر میں بھی جستجو کا جوہر
تھا پارۂ دل بھی زیرِ پستاں
لیکن مرا مول ہے جوان پر
گھبرا کے نہ یوں گریز پا ہو
پیمائش میری ختم ہو جب
اپنا بھی کوئی عضو ناپو (مقابلۂ حُسن)

فہمیدہ کی یہ نظم طرزِ اظہار کی وجہ سے ناقدین کے ہاں ہدفِ تنقید بنی رہی گو کہ یہ اعتراضات محض الفاظ کے انتخاب سے زیادہ گہرائی نہیں رکھتے۔دوسری طرف اس نظم کا موضوع جو دراصل عورت کو ایک حسن کا پیکر جان کر اسے اپنے شعروں، تصویروں اور دوسرے فنونِ لطیفہ میں بطور ایک جنسی کل کے پیش کرتے ہیں ان کے منہ پر طمانچہ ہے۔دراصل شاعرہ اس بات پر کبیدہ خاطر نظر آتی ہے کہ عورت کو محض ہوس کا ہدف سمجھنے والے اس کا مرتبہ تو کیا اس کی شناخت سے بھی بیگانہ ہیں۔اس حوالے سے ڈاکٹر ثمینہ ندیم لکھتی ہیں:

''مقابلۂ حُسن، فہمیدہ کی ایسی نظم ہے جس پر کافی تنقید ہوئی۔نظم
ایسے رویے کے خلاف بھرپور احتجاج ہے جہاں عورت کا جسم

ادیبوں، شاعروں اور مصوروں کا موضوع رہا۔''(۱۸)

فہمیدہ ریاض کے ساتھ حقوقِ نسواں اور عورت کے مقام کی خواہش مند شاعرہ کے طور پر کشور ناہید کا نام آتا ہے، کشور ناہید بنیادی طور پر ترقی پسند ادیبوں میں شمار ہوتی ہیں۔ عورت کے حوالے سے عدم مساوات اور استحصالی صورتِ حال ان کے لیے کبھی قابلِ قبول نہیں۔ وہ جا بجا مساوات کا نعرہ لگاتی اور ان معاشروں کو سراہتی نظر آتی ہیں جہاں عورت اور مرد کی تخصیص عورت کی آزادی کی قاتل نہیں، جہاں عورت گوشت پوست کی مخلوق ہی نہیں معاشرے کا اہم اور متحرک کردار نظر آتی ہے۔ کشور ناہید کی مشہور نظم ''ہم گنہگار عورتیں'' اس حوالے ایک نمائندہ نظم ہے جہاں وہ عورت کے ساتھ روا رکھے جانے والے سلوک کی نشان دہی کرنے کے ساتھ اس سماجی ناانصافی اور استحصالی رویے کو ٹھوکر مارتی نظر آتی ہیں۔ کشور ناہید نظم کی ایک ایسی آواز ہے جس کی بازگشت ہر اس ایوان میں سنی جاسکتی ہے جہاں مرد اور عورت کی برابری معاشرے میں بگاڑ کی علامت سمجھی جاتی ہے۔ ردِعمل کے طور پر کشور ناہید کی نظم کی بجائے اس کی ذات پر انگلیاں اٹھا کر یہ خود ساختہ برتر مرد اپنے مردہ ضمیر کو مطمئن کرنے میں لگا رہتا ہے۔

نظم کے حوالے سے سارہ شگفتہ کا نام بھی تعارف کا محتاج نہیں۔ سارہ کا طرزِ احساس اس لیے بھی منفرد ہے کہ وہ خود اس رویے کا شکار رہیں جہاں عورت ہر روپ میں قربانی کا مظہر ہو اور کسی بھی صورت اپنے حقوق کا مطالبہ نہ کرے۔ سارہ نے خود ساری زندگی اسی نظام کے تر نوالہ کے طور پر گزار دی۔ ماں باپ کا گھر اس کے لیے آسودگی کا مظہر نہ تھا تو خاوند کے گھر میں اسے اس قربانی پر کاربند رہنا تھا جہاں مرد تو ہر حال میں برتر ہے کیونکہ معاشرہ اس کی برائی کو محض اس داغ کی طرح سے سمجھتا ہے جسے آسانی سے دھویا جاسکتا ہے مگر عورت کی طرف اٹھنے والی انگلی قبر تک اس کا پیچھا کرے گی اور وہ اس ناکردہ گناہ کی سزا کے طور پر روز مرے گی۔ سارہ شگفتہ کی جدید نظم میں یہ کرب اس قدر گہرائی کے ساتھ ہے کہ قاری اس کے سحر میں آکر کبھی کبھی تو خود بھی کٹہرے میں کھڑا نظر آتا ہے۔

شاعرات میں اسی طرزِ احساس کی ایک اور شاعرہ شاہدہ حسن ہیں۔ شاہدہ کی نظمیں کشور ناہید اور فہمیدہ ریاض سے زیادہ شگفتہ لب و لہجہ رکھتی ہیں۔ الفاظ کے حوالے سے چناؤ حد درجہ مناسب ہے۔ اپنے خیالات کی ترسیل کے لیے انھوں نے جس روش کو اختیار کیا وہ اسے فہمیدہ، کشور اور سارہ سے منفرد کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فاطمہ حسن نے انھیں نسائی لہجہ اور شعور کی شاعرہ سے تعبیر کیا۔ یہ روش انھیں اس لیے بھی ممتاز کرتی ہے کہ ناقدین کو شاہدہ حسن کے ظاہری پہلو سے اغماض کرتے ہوئے فرار کی راہ نہیں ملتی۔

دیگر شاعرات کے حوالے سے تانیثی نقطۂ نظر ہمیں نسرین انجم بھٹی، ادا جعفری، پروین فنا سید اور شکیلہ شام کے ہاں بھی نظر آتا ہے۔

غزل کی شاعرات میں پروین شاکر، نوشی گیلانی، ریحانہ قمر اور فاخرہ بتول کے ہاں بھی عورت کا منفرد روپ نظر آتا ہے۔ ان شاعرات کے ہاں عورت کا روایتی تصور زیادہ نظر آتا ہے۔ وہ مرد کی ذات میں پناہ ڈھونڈنے والی عورت کا روپ رکھتی ہیں اگر ان کے ہاں صدائے احتجاج بھی ہے تو خالص اس نسائی شعور کی عکاس جو عورت کو مرد سے وابستگی سے حاصل ہوتا ہے۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

لے جائیں مجھ کو مالِ غنیمت کے ساتھ عدو
تم نے تو ڈال دی ہے سپر تم کو اس سے کیا (پروین شاکر)

....

ہجر کی شب میں قید کرے یا صبح وصال میں رکھے
اچھا مولا تیری مرضی تو جس حال میں رکھے (نوشی گیلانی)

....

نظر انداز کرنے کی سزا دینا تھی تجھ کو
تیرے دل میں اتر جانا ضروری ہو گیا تھا (ریحانہ قمر)

....

میں شاخ پہ بیٹھی ہوئی چڑیا کی طرح ہوں
تو شب میں چمکتے ہوئے جگنو کی طرح آ (فاخرہ بتول)

اردو میں تانیثی ادب کے حوالے سے بغور جائزہ لیں تو دیگر حوالوں سے بھی عورت کا وجود منفرد اور اچھوتے انداز میں جلوہ گر ہوتا نظر آتا ہے۔ اب تنقید نگاروں کے ہاں نسائی اور تانیثی شعور کا خاص رنگ ان پہلوؤں کی عکاسی کرتا ہے جس پر ادیبوں نے قلم فرسائی کی۔ نتیجتاً تنقیدی بصیرت کے حامل ادبا و شعرا نے معاشرے میں موجود جبر و استبداد، استحصالی روش، سماجی ناانصافی اور عدم مساوات کو موضوع بنایا۔ عورت کو الگ شناخت اور حقوق کی دستیابی کی اس جنگ میں سینہ سپر رہے۔ اب اردو ادب کا کوئی گوشہ ایسا نہیں جہاں تحریکِ حقوقِ نسواں، آزادیٔ نسواں اور عورت کی الگ شناخت کی بازگشت سنائی نہ دیتی ہو۔

حوالہ جات

1. Michal Ash, Oxford Advanced Learners Dictionary of Current English as History, Oxford University Press, Seventh Edition, P-565
2. B. David, The Feminist Challenges, London: MacMillan Press, 1989, P-2
۳۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، قومی انگریزی لغت، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ۱۹۹۱ء، ص:۳۳۷

۴۔ انیس ہارون، فیمنزم اور پاکستانی عورت، مشمولہ: فیمنزم اور ہم، مرتبہ: فاطمہ حسن، کراچی، وعدہ کتاب گھر، ۲۰۱۳ء، ص:۱۳

۵۔ ناصر عباس نیّر، جدید اور مابعد جدید تنقید (مغربی اردو تناظر میں)، کراچی: انجمن ترقی اردو، ۲۰۰۴ء، ص:۲۷۲

۶۔ ایضاً، ص:۲۷۴

۷۔ سیمون دی بوا، عورت، مترجم: یاسر جواد، لاہور: فکشن ہاؤس، ۱۹۹۹ء، ص:۱۴

۸۔ زاہدہ حنا، عورت زندگی کا زنداں، کراچی: دی سمیع سنز پرنٹرز، ۲۰۰۴ء، ص:۱۶

۹۔ النساء:۳۲

۱۰۔ العمران:۲۰

۱۱۔ بنی اسرائیل:۳۱

۱۲۔ النساء:۴

۱۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، پردہ، لاہور: اسلامک پبلی کیشنز، ۱۹۹۸ء، ص:۲۱۲

۱۴۔ کشور ناہید، عورت، خواب اور خاک کے درمیاں، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص:۱۶

۱۵۔ نجیبہ عارف، ڈاکٹر، تانیثیت کے بنیادی مباحث: اقبال کا نقطۂ نظر، مشمولہ: تحقیق، شعبہ اُردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو، جولائی دسمبر ۲۰۰۹ء، ص:۲۶۰

۱۶۔ ملک اشفاق، قدیم دور کی عظیم فلسفی خواتین، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۵ء، ص:۱۸

۱۷۔ روبینہ ترین، ڈاکٹر، آج کی پاکستانی عورت کے مسائل، فکرِ اقبال کی روشنی میں، مشمولہ: جرنل آف ریسرچ اُردو، شعبہ اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، شمارہ ۱۵، ۲۰۰۹ء، ص:۱۴۳

۱۸۔ ثمینہ ندیم، ڈاکٹر، اُردو میں تانیثی تنقید، مشمولہ: راوی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، لاہور، ۲۰۰۸ء، ص:۱۴۰

☆......☆......☆